

رسائل و مسائل

تحریک اقامت دین کے متعلق چند مسائل

سوال | جماعت اسلامی کی شرکت کو اپنے لیے لازمی سمجھ لینے کے باوجود مجھے چند شبہات اپنے دل میں کھٹکنے محسوس ہو رہے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو اپنی بصیرت سے ان الجھنوں کو صاف کر دیجیے۔ شبہات یہ ہیں:-

۱۔ آپ اپنی تحریروں کے ذریعے برسوں سے اقامت دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ دوسل سے جماعت بھی قائم ہے۔ بقول آپ کے اس تحریک کے مزاج کے مطابق بہت تھوڑے آدمی ملے ہیں اور جو ملے ہیں ان میں وہ صفات بہت کم ہیں جن صفات کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ میں کثرت سوچتا ہوں کہ یہ صفات لوگوں میں کیسے پیدا ہوا کرتی ہیں جہاں تک اُمت کی تاریخ کا تعلق ہے، خلافت راشدہ کے بعد اقامت دین کی منظم تحریک کبھی برسرِ کار آئی ہی نہیں۔ مجددین نے زبانِ ظلم یا جہم سے جو کچھ کیا، ذاتی طوع پر کیا۔ شاید پورے اسلامی دور میں صرف حضرت سید احمد بریلوی کے زیرِ قلم ایک منظم جہاد اس مقصد کے لیے کیا گیا۔ میں ان کے رفقاء کے غم و غل پر غور کرتا ہوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں وہ داہانہ اور مخنونا نہ جذبِ جوش کیسے پیدا ہوا۔ کسی جماعت میں وہ نشہ کیسے چڑھتا ہے جب وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دینا ہی اپنا غرض فرض سمجھنے لگتی ہے؟ کیا یہ سب کچھ تحریری اور تقریری دعوتِ تعلیم سے ہو جاتا ہے یا محض عمدہ اور صحیح لٹریچر فروم کر دینے سے؟ میرا یہ خیال ہے کہ یہ سب چیزیں ذہنی اصلاح تو کر دیتی ہیں لیکن جنوں عمل پیدا کرنے والی کوئی اور ہی چیز ہوتی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ عہد کر کے اس کا حق ادا نہیں کرتے اور خلوص و ایثار کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جذبہ کو کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے؟ میں آپ کا لٹریچر پڑھ کر اور قرآن حکیم کا

مطالعہ کر کے خود اپنے اندر یہ خواہش پاتا ہوں کہ میرے عمل میں انقلاب ہو۔ لیکن جس چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہوں وہ پیدا نہیں ہوتی۔ معلوم نہیں وہ کونسی طاقت ہے جو اس ضرورت کو پورا کرتی ہے مگر اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جب تک جماعت اسلامی میں یہ طاقت نمودار نہ ہوگی، شرکائے جماعت میں ایثار و عمل کا مظاہرہ جذبہ پیدا نہ ہوگا اور تحریک ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

۲۔ ایک انجمن اقامت دین کی راہ کے نشانات اور مراحل کے متعلق پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح کے مراحل دیے گئے ہیں، ان میں جس طرح کی رہنمائی ہوتی گئی اندس طرح کی غیبی نصرت و تائید کا ظہور ہوتا گیا، ان سب میں ذات رسول اور وحی کی رہنمائی موجود تھی۔ اب یہ کون بتائے گا کہ ہمارے راستے کے مراحل کون کونسے ہیں اور ان کو کس کس طرح عبور کرنا ہے؟

۳۔ صحابہ کی زندگی کو دیکھیے تو تعجب ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے، اونچے نیچے، محتاج اور غنی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک وسیع خاندان کے رشتہ میں پروئے گئے تھے۔ ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہوتی تھی اور ایک کا فائدہ سب کا فائدہ ہوتا تھا۔ ایک کا بوجھ اٹھانے کے لیے سب کے بازو حرکت میں آ جاتے تھے۔ مگر ہمارا حال کیا ہے؟ اگر ہمارے بچے فائدہ کشی کر رہے ہیں اور ہم فکر معاش میں بدحواس ہو رہے ہیں تو ہم اپنے رفیقوں کے ساتھ کیسے چل سکتے ہیں جو ان مشکلات کی تلخیوں سے نا آشنا ہیں۔ کبھی کبھی اس انجمن میں پڑ جاتا ہوں کہ وہ زندگی جو عہد رسالت میں صحابہ کے اندر پیدا ہو گئی تھی، اس عہد کے لیے خاص تونہ تھی۔ کبھی یہ خیال گزرتا ہے کہ اس زندگی کی فطرت ہی ایسی ہے کہ یہ عام نہیں ہو سکتی۔ میں سوچتا ہوں کہ ہمیں اپنے جذبہ رفاقت کو اتنا زور دینا چاہیے کہ جماعت ایک خاندان کی شکل اختیار کر جائے اور جماعت کے استحکام کے لیے یہ ایک لازمی چیز ہے۔

جواب | ۱۔ اس مسئلہ پر میں خود برسوں غور کرتا رہا ہوں اور آخر کار اس مختصر فقرے نے جو عام طور پر مسلمانوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے، مجھے مطمئن کر دیا، یعنی ”السعی مسنی والکفاح من اللہ“۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم جس بات پر مامور ہیں وہ صرف یہ ہے کہ مختلف راہوں میں سے اس راہ کو اپنے لیے منتخب

دیکھیں جسے صراطِ مستقیم کہا گیا ہے، اور اپنی تمام ممکن سہی و جہد اس پر چلنے میں صرف کر دیں۔ اس کے بعد اسباب کی فراہمی اور وہ نوری کی قوت اور مشکلاتِ راہ کی تسہیل یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے۔ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ اگر بڑے پیمانہ پر سعی کرنے اور بلند درجے پر پہنچنے کی توقع نہ ہو تو ہم صحیح راہ کو چھوڑ کر کسی ایسی غلط راہ کی طرف چل پڑیں جس میں کچھ بڑے اور بلند درجے کا کام کیا جاسکتا ہو۔ ہمیں بہر حال صحیح کام کرنا ہے، خواہ وہ بڑے پیمانے پر ہو یا چھوٹے پیمانے پر۔

یہ تو اس معاملہ کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جن غیر معمولی اخلاقی قوتوں کی اس کام کے لیے ضرورت ہے اور جیسی نوثر شخصیت یا شخصیتیں اس کام میں جان ڈالنے کے لیے ضروری ہیں وہ بہر حال مجرور میں پیدا نہیں ہو سکتیں بلکہ اس راہ کی عملی جدوجہد کے نتیجہ ہی میں پیدا ہو کر تلی ہیں۔ ابھی اس سعی کی ابتدا ہے اور آزمائش کے لمحات بہت کم آئے ہیں، اس وجہ سے اس سعی کے مردم ساز اثرات آپ کے سامنے پوری طرح نمایاں نہیں ہو سکے ہیں۔ لیکن آگے چل کر جیسے جیسے امتحان کے مواقع سامنے آتے جائیں گے، آپ دیکھیں گے کہ جو لوگ اللہ سے گہرا تعلق رکھنے والے نہیں ہیں وہ کسی نہ کسی امتحان کی گھڑی پر اپنی کمزوری کے خود شکار ہو جائیں گے اور راستے سے ہٹ جائیں گے، اور جن لوگوں کو فی الواقع اللہ سے تعلق ہو گا وہ نہ صرف یہ کہ ایک ایک امتحان کے موقع پر کامیاب ہوں گے بلکہ ہر امتحان ان کی سیرت میں ایک نئی طاقت پیدا کر دے گا، ان کے اندر کی بہت سی کھوٹ نکال دے گا اور بالآخر وہ زیرِ ظاہر بن جائیں گے۔ پھر رفتہ رفتہ انہی لوگوں میں بداس کی سی خصوصیات پیدا ہو جائیں گی کہ جو ان سے چھو گیا وہ سونا بن گیا۔ بہر حال میں اس معاملہ میں مطمئن ہو چکا ہوں کہ اس کام کو شروع کرنے سے پہلے مکمل شخصیت یا شخصیتوں کی شرط لگانا غلط ہے۔ یہ شرط کبھی تحقق نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے برعکس صحیح یہ ہے کہ ایک تجربہ خواں اپنے ساتھ کام شروع کر دیا جائے تو رفتہ رفتہ ہی کام خود مکمل شخصیتیں بننا چلا جاتا ہے اور جتنا جتنا یہ مکمل کے مراحل کی طرف بڑھتا ہے اتنی ہی بلند شخصیتیں اس کے کارکنوں میں سے ابھرتی چلی آتی ہیں۔ سمندر کی موجوں سے لڑنے کے لیے آئے آدنی کبھی نہیں لاسکتے جو سمندر کے اندر اترنے سے پہلے اس کی موجوں سے لڑنے کی قوت نہ لائے

کر چکے ہوں۔ یہ قوت تو بہر حال سمند میں کودنے اور موجوں سے لڑنے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جو کمزور ہیں وہ اسی سمند میں ڈوب مرتے ہیں اور جن کے دستبازوں میں اس نے قوت پیدا کی ہے وہ تھپیڑے کھا کھا کر اور موجوں سے ٹکڑ ٹکڑ ہوتا ہے۔ بالآخر پیرکوں کے پیرک بن جاتے ہیں۔

۳۔ آقا مستون کی راہ کے مراحل مقرر نہیں ہیں، بلکہ ان مراحل کو جدوجہد، اور وہ حالات جو جدوجہد کے دوران میں پیش آئیں، اور وہ بصیرت جو اسلام کی نوح کو سمجھنے والے رہنما کے اندر ہوتی ہے یہ سب چیزیں بل جل کر معین کرتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں بھی ہم کو یہی نظر آتا ہے کہ سب ایک ہی قسم کے مراحل سے نہیں گزرے ہیں۔ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل جو چیز درکار ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے مقصد معین ہو اور ہمارے اندر وہ محنت موجود ہو جو اس مقصد تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے اور ہم انبیاء علیہم السلام کے طوقی کار کو اچھی طرح سمجھ کر عمل جدوجہد شروع کر دیں۔ پھر جو مراحل سامنے آتے جائیں گے ان میں سے ہر مرحلہ کے تقاضوں کو ہم اپنی حکمت سمجھتے جائیں گے اور اللہ کے بھروسے پر ان کے لیے مناسب پیر اختیار کرتے جائیں گے۔

رہا آپ کا یہ خیال کہ پہلے تو وحی کی رہنمائی کام کرتی تھی اس لیے صحیح وقت پر صحیح تدبیر اختیار کر لی جاتی تھی، مگر اب کیا ہو گا؟ تو اس کا جواب قرآن مجید میں دے دیا گیا ہے کہ ”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“۔ وہ خدا جو پہلے رہنمائی کرتا تھا وہی اب بھی رہنمائی کرنے کے لیے موجود ہے۔ اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے موجود ہونے چاہیں۔ ہمارے اندر اگر ایک دوا آدنی بھی ایسے موجود ہیں جو قرآن کی رُوح اپنے اندر جذب کر چکے ہوں، اور جماعت میں کم از کم ایک معتد بہ اکثریت ایسے لوگوں کی موجود رہے جو قلب سلیم کی نعمت سے بہرہ ور ہوں اور صحیح و غلط رہنمائی میں امتیاز کر سکتے ہوں اور جن میں صحیح رہنمائی کے لیے سمع و طاعت کا مادہ موجود ہو، تو ان شاء اللہ خدا کی رہنمائی بھی ہمیں ہر مرحلہ پر حاصل ہو گی اور ہم اس کی رہنمائی سے فائدہ بھی اٹھا سکیں گے۔

۴۔ صحابہ کی جماعت کے متعلق جو نقشہ مذکوروں میں کھینچا گیا ہے اس میں ایک صلیب تک تو مبالغہ ہے اور ایک حد

ایک حقیقت ہے۔ پھر جو حقیقت وہ بھی پوری طرح اس وقت برسرِ کار آتی تھی جب ایک طویل مدت کی جدوجہد نے ان کے اندر باہمی رفاقت کی اسپرٹ پیدا کر دی تھی۔ مگر عجیب بات ہے کہ جو خصوصیات ان کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے زبردست رہنما کی رہنمائی سے چودہ پندرہ سال کی مسلسل تربیت کے بعد پیدا ہوئی تھیں، انہیں ہم پہلے ہی مرحلہ پر موجود دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر مدینہ طیبہ میں صحابہ کے درمیان رفاقت کی جو اسپرٹ تھی اس میں بہت بڑا دخل ان کی یکجائی کو بھی تھا۔ منتشر طور پر ہر ایک کے مختلف حصوں میں جو لوگ پھیلے ہوئے تھے ان کے ساتھ وہ رفاقت ممکن نہیں تھی جو مدینہ میں کھڑے ہونے والے لوگوں کے ساتھ تھی۔ مگر یہاں بھی تک ہماری اجتماعی زندگی سرے سے نئی سی نہیں ہے۔ منتشر افراد کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں جو ابھی ایک دوسرے سے آشنا تک نہیں۔ ان کے اندر آخر رفاقت کی وہ شان کب سے پیدا ہو سکتی ہے جو صرف یکجائی زندگی ہی میں ممکن ہے۔ بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ جو لوگ ہمارے ہم خیال ہیں وہ عہدِ صحابہ کو مجرد کرامتوں اور معجزات کی اسپرٹ میں سمجھنے کے بجائے فطری اسباب کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔ دوزخ بروہ چیز جو اس دور میں پیدا ہوئی تھی اس کے متعلق ہم یہ چاہیں گے کہ بس وہ چشمِ زدن میں کرامت کے طور پر رونما ہو جائے اور جب وہ اس طرح رونما ہو سکے گی تو ہمارے دل ٹوٹ جائیں گے۔ اس ذہنیت کے ساتھ ہم کبھی ان فطری اسباب کو فراہم کرنے کی کوشش کریں گے ہی نہیں جن سے وہ کیفیات یا کم از کم اس نوعیت کی کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں۔ بیٹے اور بل کر کام کیجیے اور بل کر اس راہ میں مصیبتیں اٹھائیے۔ پھر اگر اس طرز کی رفاقت کا ظہور نہ ہو تو البتہ آپ کو حق ہے کہ اس خدمت کی انجام دہی کے لیے معجزہ کی شرط لگائیں اور اپنے خدا سے مطالبہ کریں کہ اگر یہ خدمت ہم سے لینا چاہتا ہے تو معجزے صادر کرے۔

اس سلسلہ میں سوچنے والے اکثر جو خطبیاں کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس کام میں جن جن چیزوں کی کمی محسوس کرتے ہیں ان کا ذکر کچھ اس انداز سے کرتے ہیں گویا ان ساری کیوں کو پورا کرنا اور تمام ضروری چیزوں کو ہتیا کر دینا کسی اور کا کام ہے اور خود ان پر اس بات میں کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ حالانکہ جو حقیقت یہ کسی ایک شخص کا انفرادی کاروبار نہیں ہے بلکہ ہم سب مشترک کام ہے اور اس میں کوئی شخص بھی محض چند خامیوں کی نشان دہی اور چند چیزوں کی ضرورت ظاہر کر کے اپنے فرض سے بددش نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود اس کی کوپا کرے اور اس چیز کو ہتیا کرنے میں اپنے حصہ کی خدمت انجام دے جس کی ضرورت یہ بیان کرتا ہے